ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2967

Program: BS (Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ)

کورس: ملکیت اراضی، مزارعت، مساقات اور شفعہ کا اسلامی قانون (2967) • سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ 1 تا 4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 0

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: حکومت کی طرف سے تحدیدِ ملکیت کی مستقل اور عارضی صورتیں اور عارضی تحدید کے جواز کی شرائط (20 نمبر)

سوال نمبر 1: حکومت کی طرف سے تحدیدِ ملکیت کی مستقل اور عارضی صورتوں میں کیا فرق ہے، اور کن شرائط کے تحت عارضی تحدیدِ ملکیت کو شرعاً جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟

(20 نمبر)

تعارف

ملکیت انسانی معاشرے کے بنیادی قانونی تصورات میں سے ہے، کیونکہ زمین، مکان اور مال و اسباب پر حقِ ملکیت ہی سے معاشی سرگرمی، کاشت کاری، تجارت اور خاندانی استحکام کا نظام قائم ہوتا ہے۔ اسلام نے نجی ملکیت کو تسلیم کیا ہے، مگر اسے مطلق اور غیر ذمہ دار حق نہیں بنایا؛ مالک پر زکاۃ، صدقہ، پڑوسی کے حقوق اور دوسروں کو نقصان نہ پہنچانے جیسی پابندیاں عائد ہیں۔ اسی پس منظر میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا حکومت کسی شخص کی ملکیت کی مقدار پر حد لگا سکتی ہے یا نہیں، اور اگر لگا سکتی ہے تو اس کی نوعیت کیا ہوگی۔ فقہاء اور معاصر اہلِ علم نے اس مسئلے کو دو صورتوں میں تقسیم کر کے بیان کیا ہے: ایک مستقل یا دائمی تحدید، اور دوسری عارضی یا وقتی تحدید۔ اس جواب میں پہلے ملکیت کا اسلامی تصور اور تحدید کا مفہوم واضح کیا جائے گا، پھر دونوں صورتوں کا فرق تفصیل سے بیان ہوگا، اور آخر میں ان شرائط کی وضاحت کی جائے گی جن کے تحت عارضی تحدید کو شرعاً جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ بحث خالص علمی اور درسی نوعیت کی ہے؛ کسی مخصوص قانون یا مخصوص زمین پر اس کے اطلاق کا فیصلہ عدالتوں اور مستند اہلِ علم ہی کا کام ہے۔

ملکیت کا اسلامی تصور اور تحدید کا مفہوم

اسلامی تصور کے مطابق زمین و مال کی اصل اور حقیقی ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے اور انسان اس میں خلیفہ اور امین کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی استخلاف کی بنیاد پر انسان کو اپنے مال میں تصرف کا حق ملا ہے، مگر یہ حق امانت کی ذمہ داری کے ساتھ ہے، اس لیے نہ مال کو ضائع کرنا جائز ہے، نہ اس سے دوسروں کو نقصان پہنچانا اور نہ اسے گناہ کے کاموں میں استعمال کرنا۔ نجی ملکیت کے حق کی حفاظت شریعت کے مقاصد میں شامل ہے، اسی لیے چوری، غصب اور ناحق قبضے کو سخت گناہ اور قابلِ سزا جرم قرار دیا گیا ہے، اور کسی کا مال اس کی رضامندی کے بغیر لینا حلال نہیں سمجھا گیا۔ دوسری طرف شریعت نے مال دار پر مالی حقوق بھی مقرر کیے ہیں، مال میں مقررہ حق کا تصور، رشتہ داروں، پڑوسیوں اور ضرورت مندوں کے حقوق کی تعلیم، اور اسراف و ذخیرہ اندوزی کی ممانعت اس بات کا ثبوت ہے کہ ملکیت اسلامی نظام میں سماجی ذمہ داری سے جدا نہیں ہے۔

تحدیدِ ملکیت سے مراد وہ قانونی حد ہے جو حکومت یا ریاست اس بات پر لگائے کہ ایک شخص کتنی زمین یا کتنی مقدار میں مال کا مالک بن سکتا ہے۔ اگر یہ حد ہمیشہ کے لیے اور عام اصول کے طور پر مقرر کر دی جائے، مثال کے طور پر قانون بنا دیا جائے کہ کوئی شخص ایک مقررہ رقبے سے زیادہ زمین کا مالک ہو ہی نہیں سکتا اور زائد زمین بغیر کسی عارضی سبب کے حکومت لے لے، تو یہ مستقل تحدید ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی خاص اور غیر معمولی صورتِ حال، جیسے جنگ، قحط، سیلاب، آبادی کے بے پناہ دباؤ یا ملکی سلامتی کی ضرورت کے پیشِ نظر، محدود مدت اور محدود مقصد کے لیے مداخلت کی جائے، تو وہ عارضی تحدید کہلاتی ہے۔ فقہی بحث کا اصل نکتہ یہی فرق ہے، کیونکہ پہلی صورت میں ملکیت کے اصل حق کو ختم یا محدود دائمی کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے، جبکہ دوسری صورت میں وقتی مصلحت کے تحت تصرف کو منظم کرنے کا مسئلہ ہوتا ہے۔

مستقل تحدیدِ ملکیت اور اس کے بارے میں فقہی موقف

فقہاء کی اکثریت اور معاصر اہلِ علم کی غالب رائے کے مطابق ملکیت کی مستقل اور دائمی تحدید شرعاً درست نہیں ہے۔ اس کی پہلی دلیل یہ ہے کہ قرآن و سنت نے جائز ذرائع سے حاصل کی گئی ملکیت کی کوئی زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر نہیں کی؛ جو شخص حلال کمائی، جائز تجارت، وراثت یا دیگر جائز اسباب سے زیادہ مال یا زیادہ زمین حاصل کر لے، اس کی ملکیت کو صرف زیادہ ہونے کی بنیاد پر غلط قرار نہیں دیا گیا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ملکیت پر عائد شرعی پابندیاں ایک اور نوعیت کی ہیں، یعنی زکاۃ و عشر کی ادائیگی، حقوق العباد کی رعایت اور ظلم و استحصال کی ممانعت؛ یہ پابندیاں مالک کے رویے اور مال کے استعمال کو درست سمت دیتی ہیں، مگر مالک ہونے ہی کو محدود نہیں کرتیں۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ جائز ملکیت کا خاتمہ بغیر شرعی سبب اور بغیر معاوضے کے غصب کے مشابہ ہے، اور اسلامی تاریخ میں زمین کی زیادہ سے زیادہ حد مقرر کرنے کی کوئی مستقل مثال نظام کے اصول کے طور پر ثابت نہیں ہے۔

البتہ اس مقام پر دو باتوں میں فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ایک طرف مستقل تحدید ہے جسے جمہور علماء ناجائز کہتے ہیں، اور دوسری طرف وہ معاملات ہیں جن میں ریاست شروع ہی سے ملکیت کا دائرہ متعین کرتی ہے، مثلاً نئی آباد ہونے والی بنجر زمین کی الاٹمنٹ میں شرائط رکھنا، سرکاری زمین کی تقسیم میں رقبہ مقرر کرنا، یا شہر کاری کی منصوبہ بندی میں زمین کے استعمال کو منظم کرنا۔ یہ صورتیں کسی قائم شدہ ملکیت کو ختم کرنا نہیں ہیں بلکہ ملکیت کے حصول کے مرحلے پر نظم قائم کرنا ہیں، اس لیے انہیں مستقل تحدید کی بحث

سے الگ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح جاگیر دارانہ استحصال، ناحق قبضوں اور غیر قانونی ذرائع سے بنی ہوئی املاک کا معاملہ الگ ہے، کیونکہ وہ ملکیت سرے سے جائز ذریعے سے وجود ہی میں نہیں آئی ہوتی۔ اس فرق کو نظر انداز کرنے سے بحث الجھ جاتی ہے، حالانکہ فقہاء کی گفتگو انہی حدوں کی رعایت کے ساتھ ہے۔

عارضی تحدیدِ ملکیت اور اس کے جواز کی شرائط

عارضی تحدید سے مراد وہ مداخلت ہے جو حکومت کسی غیر معمولی اور وقتی ضرورت کے تحت محدود مدت کے لیے کرے، جیسے جنگ کے زمانے میں غذائی اجناس کی ذخیرہ بندی پر پابندی، قحط میں بڑے ذخیرے داروں سے ضرورت مندوں کے لیے اناج کی منظم تقسیم، قدرتی آفت میں خالی مکانات یا زمین کا عارضی استعمال، یا عوامی منصوبے کے لیے زمین کا معاوضے کے ساتھ حصول۔ فقہ کی اصطلاح میں اس کی بنیاد مصلحتِ عامہ اور اس اصول پر ہے کہ حکمران کے تصرفات رعایا کی مصلحت سے وابستہ ہوتے ہیں، نیز اس قاعدے پر کہ اجتماعی نقصان سے بچنے کے لیے انفرادی نقصان کو برداشت کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ جواز مطلق نہیں ہے؛ اہلِ علم نے اس کے لیے سخت شرائط بیان کی ہیں تاکہ یہ وقتی اختیار مستقل حقوق کی پامالی کا ذریعہ نہ بن جائے۔

ان شرائط میں پہلی اور بنیادی شرط حقیقی اور یقینی ضرورت کا پایا جانا ہے۔ محض انتظامی آسانی، سیاسی پسند یا آمدنی بڑھانے کی خواہش اس مداخلت کا جواز نہیں بن سکتی؛ ضرورت اس درجے کی ہو کہ اس کے بغیر جان، مال یا نظامِ حیات کو شدید نقصان پہنچنے کا غالب گمان ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ مداخلت عارضی ہو اور اس کی مدت یا اس کا سبب پہلے سے واضح ہو؛ جیسے ہی ضرورت ختم ہو، مداخلت بھی ختم ہو جائے اور مالک کے حقوق بحال ہو جائیں۔ تیسری شرط معاوضے کی ہے: اگر کسی کی جائیداد عارضی طور پر استعمال کی جائے یا اس سے کوئی حصہ لیا جائے تو اس کا منصفانہ معاوضہ یا کرایہ ادا کیا جائے، تاکہ پورے معاشرے کے فائدے کا بوجھ ایک فرد پر نہ پڑ جائے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ مداخلت کم سے کم درجے کی ہو، یعنی ضرورت جتنی مقدار اور جتنی مدت سے پوری ہو سکتی ہو اس سے آگے تجاوز نہ کیا جائے۔ پانچویں شرط عمومی اور غیر امتیازی نفاذ ہے: قانون سب پر یکساں لاگو ہو، بااثر افراد کو چھوڑ کر کمزوروں کو نشانہ بنانا ظلم ہے اور جواز کو ختم کر دیتا ہے۔ چھٹی شرط شرعی مقاصد کی رعایت ہے، یعنی یہ اقدام کسی واضح شرعی حکم سے نہ ٹکرائے اور اس کا مقصد فلاح و عدل ہو، کسی گروہ سے انتقام یا مال کا ناحق حصول نہ ہو۔

جدول 1: مستقل اور عارضی تحدیدِ ملکیت کا فرق

پہلو	مستقل تحدید	عارضی تحدید
مدت	دائمی اور ہمیشہ کے لیے	محدود مدت یا مخصوص سبب تک
بنیاد	عام قانون کے طور پر ملکیت کی مقدار کی حد	غیر معمولی ضرورت اور مصلحتِ عامہ
شرعی حکم (جمہور کے نزدیک)	جائز ملکیت کی ایسی حد بندی درست نہیں	شرائط پوری ہوں تو جائز قرار دی جا سکتی ہے
معاوضہ	عموماً ملکیت کے خاتمے کی صورت	منصفانہ معاوضہ یا کرایہ لازم
مثال	ہمیشہ کے لیے زیادہ سے زیادہ رقبے کی حد	قحط، جنگ یا آفت میں وقتی انتظام

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ مستقل تحدیدِ ملکیت میں حکومت دائمی طور پر ملکیت کی مقدار محدود کر دیتی ہے جسے فقہاء کی اکثریت شرعی اصولوں کے خلاف سمجھتی ہے، کیونکہ شریعت نے جائز ملکیت کی کوئی زیادہ سے زیادہ حد مقرر نہیں کی اور اس کے بجائے زکاۃ، حقوق اور ممانعتِ ظلم کے ذریعے ملکیت کو منظم کیا ہے۔ اس کے برعکس عارضی تحدید حقیقی ضرورت، محدود مدت، منصفانہ معاوضے، کم سے کم مداخلت اور یکساں نفاذ جیسی شرائط کے ساتھ ہو تو اسے مصلحتِ عامہ کے اصول پر جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ دونوں صورتوں کے فرق کی اصل جڑ یہ ہے کہ شریعت ملکیت کے حق کو بھی محفوظ رکھتی ہے اور معاشرے کی فلاح کو بھی، اور کسی ایک کو دوسرے پر قربان نہیں کرتی۔ طالب علم کو یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ فقہی تجزیہ علمی بیان ہے؛ کسی موجودہ قانون یا زمین کے تنازعے پر فیصلہ متعلقہ عدالت اور مستند اہلِ علم کے دائرے میں آتا ہے۔

سوال نمبر 2: معادن، کنز اور رکاز کا مفہوم اور معدنِ ظاہر و معدنِ باطن کا فرق (20 نمبر)

سوال نمبر 2: معادن، کنز اور رکاز سے کیا مراد ہے، اور معدنِ ظاہر اور معدنِ باطن میں کیا فرق بیان کیا گیا ہے؟ (20 نمبر)

تعارف

زمین صرف کاشت کاری اور تعمیر کے لیے نہیں ہوتی، اس کے نیچے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے خزانے اور معدنیات رکھے ہیں جن سے انسانی تہذیبوں کا بڑا حصہ وابستہ ہے۔ فقہ اسلامی نے زمین کے اندر پائی جانے والی دولت کے لیے تین الگ الگ اصطلاحات استعمال کی ہیں: معادن، کنز اور رکاز۔ ان تینوں میں باریک فرق ہے اور اسی فرق کی بنیاد پر ان کے احکام بھی مختلف ہیں، خصوصاً یہ کہ اس دولت میں ملکیت کس کی ہو گی اور بیت المال یعنی عوامی خزانے کا حق یعنی خمس اس میں ثابت ہو گا یا نہیں۔ سوال میں پہلے تینوں اصطلاحات کے مفاہیم پوچھے گئے ہیں اور پھر معدن کی دو بڑی قسموں، معدنِ ظاہر اور معدنِ باطن، کا فرق پوچھا گیا ہے۔ ۲۰ نمبر کے جواب میں ہر اصطلاح الگ الگ واضح کی جائے گی، تینوں کا باہمی فرق جدول کی صورت میں پیش کیا جائے گا اور پھر معدنِ ظاہر و باطن کے فرق اور اس پر مرتب ہونے والے فقہی نتائج بیان کیے جائیں گے۔ یہ بحث درسی و علمی ہے؛ زیرِ زمین وسائل کے عملی استحصال کا فیصلہ ملکی قوانین اور متعلقہ اداروں کے تحت ہوتا ہے۔

معدن کا مفہوم

معدن عدن سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی ٹھہرنے اور قائم رہنے کی جگہ کے ہیں۔ اصطلاح میں معدن سے مراد وہ قدرتی ذخیرہ ہے جو زمین کے اندر اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ازل سے موجود ہو اور انسانی عمل دخل سے وجود میں نہ آیا ہو، مثلاً سونا، چاندی، لوہا، تانبا، سرب یعنی رانگا و سیسہ، کوئلہ، نمک، گندھک اور جدید دور میں تیل و گیس جیسے ذخائر۔ فقہی تعریف کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ معدن زمین کا قدرتی جزو ہے، کسی انسان کی ملکیت یا محنت سے پیدا نہیں ہوا، اس لیے اس کا حکم زمین کے اس حصے کے تابع رکھا گیا ہے جس میں وہ پایا گیا ہو یا پھر اسے عوامی دولت سمجھنے کی بحث اسی بنیاد پر چلتی ہے۔ اگر معدن کسی کی ملکِ خاص زمین میں ظاہر ہو تو اس کی ملکیت میں فقہاء کے درمیان بحث ہے، لیکن یہ

امر مسلم ہے کہ معدن دفینے سے مختلف چیز ہے، کیونکہ دفینہ انسان کا دفن کیا ہوا مال ہوتا ہے جبکہ معدن فطری ذخیرہ ہوتا ہے۔ اسی امتیاز کو برقرار رکھنا آگے آنے والے احکام کی بنیاد ہے۔

کنز اور رکاز کا مفہوم

کنز کے لغوی معنی مال کو جمع کر کے دفن کرنے اور چھپا کر رکھنے کے ہیں۔ فقہی اصطلاح میں کنز سے مراد وہ مال ہے جو کسی انسان نے زمین میں دبایا ہو، خواہ وہ سونا چاندی ہو، سکے ہوں یا دیگر قیمتی اشیاء۔ یعنی کنز کی پہچان انسانی عمل ہے: یہ دولت زمین میں قدرتی طور پر بنی نہیں بلکہ رکھی گئی ہے۔ اس مال کو تلاش کرنے والے کے لیے اس کے اصل مالک یا اس کے وارثوں کی تلاش کی بحث، اور مالک نہ ملنے کی صورت میں اس کے مصرف کی بحث، فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے موجود ہے، اور اسی مال کا ایک نام دفینہ بھی ہے۔ کنز کے باب میں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ دفن شدہ مال کس دور کا ہے، کیونکہ زمانہ جاہلیت کے دفینے اور مسلمانوں کے دور کے دفینے کے احکام میں فقہاء نے فرق بیان کیا ہے۔

رکاز رکز سے ہے جس کے معنی گاڑنے اور زمین میں ثابت کرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں رکاز کی تعریف میں فقہی مکاتب کا تھوڑا اختلاف ہے۔ فقہِ حنفی کے نزدیک رکاز عام ہے اور معدن و کنز دونوں کو شامل ہے، یعنی زمین میں دبا ہوا ہر مال، خواہ قدرتی ہو یا انسانی دفن شدہ، رکاز کہلاتا ہے۔ جمہور فقہاء، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک رکاز خاص طور پر جاہلیت کے دور کے دفینے کو کہتے ہیں، یعنی وہ مال جو اسلام سے پہلے کے لوگوں نے زمین میں دبایا ہو۔ اسی اختلاف کے اثرات خمس کے حکم پر پڑتے ہیں: اس امر پر تقریباً اتفاق ہے کہ رکاز میں خمس یعنی پانچواں حصہ واجب ہوتا ہے اور باقی پانے والے کا ہوتا ہے، کیونکہ یہ مال بلا محنتِ معمول حاصل ہوتا ہے اور اس میں معاشرے کا حق رکھا گیا ہے۔ البتہ معدن میں خمس کا حکم فقہاء کے ہاں اس کے معدنِ ظاہر یا باطن ہونے اور مالک والی یا بے مالک زمین میں پائے جانے کے اعتبار سے مختلف بحث رکھتا ہے، جو آگے بیان ہو گی۔ ان تینوں اصطلاحات کی وضاحت کا فائدہ یہ ہے کہ زمین کے اندر ملنے والی ہر چیز ایک ہی حکم میں نہیں آتی، بلکہ اس کی نوعیت پہلے متعین کی جاتی ہے۔

جدول 2: معادن، کنز اور رکاز کا باہمی فرق

پہچان	مفہوم	اصطلاح

معدن	زمین کے اندر قدرتی طور پر موجود ذخیرہ	اللہ کی تخلیق؛ انسانی عمل سے نہیں بنا
کنز	انسان کا زمین میں دبایا ہوا مال (دفینہ)	انسانی دفن کاری؛ مالک کی تلاش کی بحث
رکاز	حنفیہ کے نزدیک معدن و کنز دونوں؛ جمہور کے نزدیک جاہلیت کا دفینہ	اس میں خمس (پانچواں حصہ) مشروع ہے

معدنِ ظاہر اور معدنِ باطن میں فرق

فقہاء نے معدن کو اس کے حاصل کرنے کی آسانی اور مشقت کے اعتبار سے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ معدنِ ظاہر وہ ہے جو زمین کی سطح پر یا سطح کے بالکل قریب ظاہر ہو اور اسے حاصل کرنے میں خاص محنت، گہری کھدائی اور بڑا خرچ نہ کرنا پڑے، نیز وہ عموماً مقدار میں اتنا وافر ہوتا ہے کہ اس سے سب فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس کی کلاسیکی مثالیں نمک، گندھک، سرمہ اور رواں پانی کے قریب ملنے والے مادے ہیں، اور ان کی اسی خصوصیت کی وجہ سے فقہاء نے انہیں عام مباحات کے حکم میں رکھا ہے، یعنی جو شخص اسے پہلے حاصل کر لے وہ اسی حاصل شدہ مقدار کا مالک ہوتا ہے، مگر ذخیرے پر مستقل انفرادی اجارہ داری قائم نہیں ہوتی، بالکل اسی طرح جس طرح عام چراگاہ اور عام پانی میں سب کا حق تسلیم کیا جاتا ہے۔

معدنِ باطن وہ ہے جو زمین کے اندر گہرائی میں چھپا ہو، اس کے نکالنے کے لیے سرنگیں کھودنا، بڑی سرمایہ کاری اور طویل محنت کرنا پڑتی ہو، اور اس کا وجود بظاہر معلوم نہ ہوتا ہو۔ سونے، چاندی، لوہے اور تانبے کی گہری کانیں اس کی واضح مثال ہیں، اور جدید تیل و گیس کے گہرے ذخائر پر بھی یہی وصف غالب حد تک صادق آتا ہے۔ معدنِ باطن کے حکم میں یہ اصول زیادہ نافذ ہوتا ہے کہ جس کی مملوکہ زمین میں یہ پایا جائے، اس کی ملکیت میں زمین کے مالک کا دعویٰ قوی ہوتا ہے، یا اس کا اختیار زمین کے مالک کو حاصل ہوتا ہے، البتہ خمس اور عوامی مفاد کے مسائل میں مکاتب کے درمیان تفصیلات مختلف ہیں۔ فرق کی اصل بنیاد یہ ہے کہ ظاہر معدن میں محنت قریباً نہ ہونے کے برابر ہے اس لیے

اسے اجتماعی منفعت کے قریب رکھا گیا، جبکہ باطن معدن میں دریافت و استخراج کی محنت و سرمایہ بنیادی عنصر ہے اس لیے اسے انفرادی ملکیت و اجازت کے نظام سے زیادہ جوڑا گیا۔

اس تقسیم کے عملی نتائج بھی ہیں۔ پہلا نتیجہ ملکیت کا ہے: معدنِ ظاہر حاصل شدہ مقدار تک محدود ملکیت دیتا ہے، معدنِ باطن زمین کی ملکیت کے تابع ہونے کی بحث رکھتا ہے۔ دوسرا نتیجہ اختیارِ ریاست کا ہے: چونکہ ظاہر معدنیات عوامی ضروریات کی جنس ہیں، ریاست ان کے انتظام اور مساوی تقسیم کو منظم کر سکتی ہے، جبکہ باطن معدنیات کے استخراج کے لیے اجازت و شرائط کا نظام اسی بنیاد پر بنایا جاتا ہے۔ تیسرا نتیجہ خمس/زکات کی بحث کا ہے: کئی فقہاء نے معدنِ باطن سے حاصل شدہ دولت پر خمس یا زکاۃ کے وجوب کی بحث اس کی مقدار اور حاصل کرنے والے کی حیثیت سے جوڑی ہے، جبکہ ظاہر معدن کو مباحات میں شمار کر کے اس تقسیم سے الگ رکھا ہے۔ طالب علم کو خلاصے کے طور پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ظاہر و باطن کا فرق دراصل محنت و رسائی کا فرق ہے، اور فقہ نے ہر حکم اسی تناسب سے مرتب کیا ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ معدن زمین کا فطری ذخیرہ ہے، کنز انسان کا دبایا ہوا مال ہے اور رکاز ایک ایسی اصطلاح ہے جو حنفیہ کے ہاں دونوں کو شامل ہے جبکہ جمہور کے ہاں جاہلیت کے دفینے کے لیے خاص ہے، اور رکاز میں خمس کا حکم مشہور ہے۔ معدن کی تقسیم ظاہر و باطن میں ہے: معدنِ ظاہر سطح پر بآسانی ملنے والا اور عموماً عام مباحات کے حکم میں ہے، جبکہ معدنِ باطن گہرائی میں چھپا ہوا، بڑی محنت و سرمایہ مانگنے والا اور زمین کے مالک و اجازت کے نظام سے متعلق ہے۔ یہ باریک تقسیمیں دکھاتی ہیں کہ فقہِ اسلامی نے قدرتی دولت کو بھی اصولوں کے بغیر نہیں چھوڑا، بلکہ انفرادی حق، عوامی مفاد اور بیت المال کے حق کے درمیان متوازن تقسیم پیش کی ہے، جس کی روشنی میں جدید معدنی وسائل کے قوانین کا مطالعہ بھی اسی کلاسیکل فریم میں کیا جا سکتا ہے۔

سوال نمبر 3: اسلام میں اراضی کی اقسام اور زمین کی ملکیت کے بنیادی احکام (20 نمبر)

سوال نمبر 3: اسلام میں اراضی کی اقسام کیا ہیں؟ واضح کریں۔ نیز زمین کی ملکیت کے بنیادی احکام پر بھی بحث کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

زمین اسلامی قانون میں صرف ایک چیز نہیں ہے بلکہ اس کی حقوقی حیثیت اس کی نوعیت، اس کے حصول کے طریقے اور اس کے استعمال کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے۔ ایک زمین کسی فرد کی مکمل نجی ملکیت ہوتی ہے، دوسری وقف ہو کر دائمی طور پر فلاح کے لیے مخصوص ہو جاتی ہے، تیسری بنجر پڑی ہوتی ہے جس پر ابھی کسی کا حق قائم نہیں ہوتا، اور چوتھی ریاست یا عام مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت میں سمجھی جاتی ہے۔ اگر ان قسموں میں فرق نہ کیا جائے تو عشر و خراج، اجارہ و مزارعت، اور احیاءِ موات و شفعہ جیسے تمام اہم ابواب الجھ جاتے ہیں۔ سوال کے پہلے حصے میں اراضی کی بڑی اقسام پوچھی گئی ہیں اور دوسرے حصے میں زمین کی ملکیت کے بنیادی احکام پر بحث مطلوب ہے۔ اس جواب میں پہلے ملکیت کی حیثیت کے اعتبار سے زمین کی اقسام بیان ہوں گی، پھر محصول کے اعتبار سے عشری اور خراجی زمین کا فرق واضح کیا جائے گا اور آخر میں وہ بنیادی اصول بیان کیے جائیں گے جو ہر قسم کی زمین کی ملکیت پر لاگو ہوتے ہیں۔

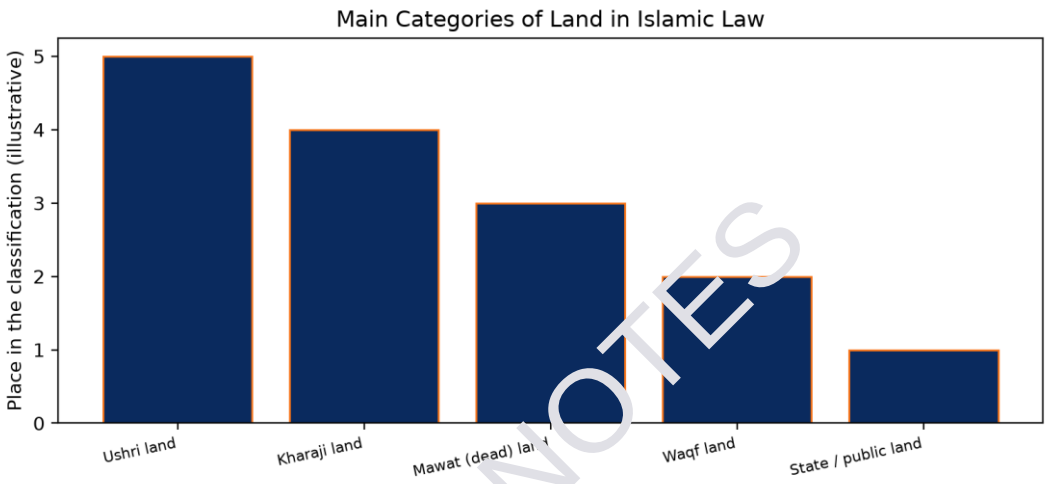
ملکیت کی حیثیت کے اعتبار سے اراضی کی اقسام

پہلی قسم ملکِ خاص یعنی نجی ملکیت والی زمین ہے۔ یہ وہ زمین ہے جس کا مالک کوئی معین فرد یا افراد ہوں اور اسے بیع، وراثت، ہبہ یا احیاء جیسے جائز سبب سے حاصل کیا گیا ہو۔ مالک کو اس میں کاشت، تعمیر، فروخت، اجارے اور وقف جیسے تصرفات کا حق حاصل ہوتا ہے، بشرطیکہ اس تصرف سے دوسروں کو غیر شرعی نقصان نہ پہنچے۔ دوسری قسم موات یعنی بنجر اور بے مالک زمین ہے، جو نہ کسی کی ملک میں ہو، نہ کسی بستی کے کام میں آتی ہو، نہ چراگاہ یا لکڑی حاصل کرنے کی جگہ کے طور پر کسی بستی سے متعلق ہو۔ یہ زمین احیاء کے اصول کے تحت آباد کرنے والے کی ملکیت بن سکتی ہے، جس کی تفصیل اسی مشق کے سوال نمبر پانچ میں ہے۔ تیسری قسم ارضِ موقوفہ یعنی وقف زمین ہے جو واقف نے دائمی طور پر کسی خیر کے کام، مسجد، مدرسے، قبرستان یا فقراء کے لیے وقف کر دی ہو۔ وقف زمین بیچی نہیں جا سکتی، وراثت میں تقسیم نہیں ہوتی اور اس کی آمدنی وقف کی شرائط کے مطابق خرچ ہوتی ہے۔

چوتھی قسم ریاستی یا اجتماعی ملکیت والی زمین ہے، جسے کتب میں اراضیِ امیریہ یا مسلمانوں کی عمومی زمین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس میں وہ زمینیں شامل ہیں جو کسی فرد کی ملک نہ ہوں، مثلاً سرکاری سڑکوں، دریاؤں کے کناروں، ویرانوں اور عام منفعت کی جگہیں، نیز وہ زمینیں جن کی رقبہ داری ریاست کے پاس ہو اور افراد کو صرف کاشت یا استعمال کا حق دیا جاتا ہو۔ پانچویں قسم حمیٰ یعنی محفوظ عام چراگاہ اور اجتماعی ملکیت کی زمین ہے جو کسی بستی یا ریاست کی طرف سے مویشیوں کی چرائی یا لکڑی اور ایندھن جیسی اجتماعی ضرورتوں کے لیے مخصوص رکھی جائے؛ اس پر کسی فرد کا ذاتی قبضہ یا ذاتی ملکیت کا دعویٰ عام حق کو ختم نہیں کر سکتا۔ چھٹی قسم عملی اعتبار سے وہ زمین ہے جو صلح یا معاہدے کے ذریعے نظام میں شامل ہو یا جنگی حالات کی بجائے پرامن طریقے سے کھلے، کیونکہ تاریخی فقہ میں زمین کی حقوقی حیثیت اور اس پر محصول کی نوعیت طے کرنے میں زمین کے نظام میں شامل ہونے کا تاریخی پس منظر بھی دیکھا گیا ہے۔

محصول کے اعتبار سے زمین: عشری اور خراجی

فقہ میں زمین کی ایک مشہور تقسیم اس پر عائد دینی محصول کے اعتبار سے ہے: عشری زمین اور خراجی زمین۔ عشری زمین وہ ہے جس پر عشر واجب ہوتا ہے، یعنی مسلمان مالک کی وہ زرعی زمین جس کی پیداوار کا دسواں حصہ، یا مصنوعی آبپاشی کی صورت میں بیسواں حصہ، بطورِ عبادت و حق ادا کیا جاتا ہے۔ عام طور پر عرب کی زمینیں، مسلمانوں کی باہمی تقسیم سے آباد شدہ زمینیں اور احیاء سے آباد ہونے والی موات زمینیں عشری شمار ہوتی ہیں۔ خراجی زمین وہ ہے جس پر خراج نامی محصول عائد ہوتا ہے؛ یہ وہ زمینیں ہیں جو تاریخی طور پر فتح کے بعد سابق مالکوں ہی کے پاس رہنے دی گئیں اور ریاست نے ان پر ان کی حیثیت کے مطابق محصول مقرر کیا، جیسا کہ سوادِ عراق کی زمینوں کے بارے میں مشہور تاریخی عمل ہے۔ خراج دو طرح کا بیان کیا گیا ہے: خراجِ موظف یعنی رقبے کے حساب سے مقررہ مقدار، اور خراجِ مقاسمہ یعنی پیداوار کا متعین حصہ۔ اس تقسیم کا عملی اثر یہ رہا کہ زمین کی نوعیت تبدیل ہونے سے اس کا محصول خود بخود تبدیل نہیں ہو جاتا؛ فقہاء کے ایک مشہور اصول کے مطابق خراجی زمین مسلمان کے خرید لینے سے بھی خراجی ہی رہتی ہے، اور عشری زمین کا حکم بھی اس کی اصل نوعیت کے مطابق دیکھا جاتا ہے، البتہ تفصیلی صورتوں میں مکاتب کے اندر مباحث موجود ہیں۔



خاکہ 1: اسلام میں اراضی کی بڑی اقسام (گھریلو تیار کردہ لیبل کے ساتھ)

زمین کی ملکیت کے بنیادی احکام

زمین کی ملکیت کے بنیادی احکام میں سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ اصل ملکیت اللہ کی ہے اور انسانی ملکیت امانت و استخلاف ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مالک زمین کو ضائع کرنے، اس سے ضرر پھیلانے اور اسے ناجائز مقصد میں استعمال کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ دوسرا اصول ملکیت کی حفاظت ہے: کسی کی زمین پر ناجائز قبضہ، جسے غصب کہتے ہیں، حرام ہے؛ غاصب پر زمین کی واپسی اور اس عرصے کے استعمال کا بدلہ دینے کی ذمہ داری فقہ میں بیان ہوئی ہے۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ ملکیت جائز اسباب ہی سے ثابت ہوتی ہے، بیع، میراث، ہبہ، وصیت، احیاءِ موات اور جائز الاٹمنٹ وغیرہ؛ ناحق طریقے سے حاصل کی گئی زمین پر شرعی ملکیت قائم نہیں ہوتی۔ چوتھا اصول زمین کو آباد رکھنے کی ترغیب اور اسے بنجر چھوڑنے کی حوصلہ شکنی ہے؛ اسی لیے احیاء کا ادارہ، اجارے و مزارعت کے عقود اور بعض فقہی مباحث میں طویل مدت تک زمین کو بے کار چھوڑنے پر انتظامی مداخلت کی بحث موجود ہے۔

پانچواں اصول پڑوس اور راستے کے حقوق کی رعایت ہے۔ زمین کا مالک اپنی زمین میں ایسا تصرف نہیں کر سکتا جس سے پڑوسی کو غیر معمولی ضرر پہنچے، گزرگاہ بند ہو جائے یا مشترکہ پانی کے حق میں رکاوٹ پڑے؛ حدیث میں ضرر نہ پہنچانے اور ضرر برداشت نہ کرنے کا عام اصول اس باب کی بنیاد ہے۔ چھٹا اصول مالی حقوق کی ادائیگی ہے: زرعی زمین

پر عشر یا خراج، اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی و مال پر دیگر شرائط پوری ہونے کی صورت میں زکاۃ کے احکام لاگو ہوتے ہیں۔ ساتواں اصول یہ ہے کہ زمین کی ملکیت کے تنازعات کا فیصلہ ثبوت، رجسٹری و دستاویزی نظام کی جدید صورتوں سمیت، عدالتی کارروائی سے ہوتا ہے اور شفعہ، تحجیر اور حق گزر جیسے ملحقہ حقوق بھی ملکیت ہی کے گرد گھومتے ہیں۔ ان اصولوں کا مجموعی نچوڑ یہ ہے کہ اسلام قانون زمین کو نہ تو بالکل بے قابو نجی جاگیر بناتا ہے اور نہ نجی حق کو ختم کرتا ہے، بلکہ حق، ذمہ داری اور اجتماعی فلاح کا توازن قائم کرتا ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ اراضی کی اقسام دو بڑے زاویوں سے بیان کی جاتی ہیں: ملکیت کی حیثیت کے اعتبار سے نجی ملک، موات، وقف، ریاستی و اجتماعی زمین اور حمیٰ وغیرہ، اور محصول کے اعتبار سے عشری و خراجی۔ زمین کی ملکیت کے بنیادی احکام میں الٰہی ملکیت و انسانی امانت کا تصور، جائز ملکیت کی حفاظت، وعصبہ کی حرمت، جائز اسباب سے ملکیت کا ثبوت، زمین کی آبادکاری کی ترغیب، پڑوس و راستے کے حقوق کی رعایت اور عشر و خراج جیسے مالی حقوق شامل ہیں۔ اگلے مباحث، مزارعت و مساقات اور شفعہ، انہی بنیادوں پر کھڑے ہیں، کیونکہ ہر بحث میں پہلا سوال یہی طے ہوتا ہے کہ زمین کس قسم کی ہے اور اس میں کس کا کیا حق ہے۔

سوال نمبر 4: مالک کے اعتبار سے ملکیت کی اقسام اور ملکیت کے حصول کے بنیادی اسباب (20 نمبر)

سوال نمبر 4: مالک کے اعتبار سے ملکیت کی اقسام واضح کریں نیز ملکیت کے حصول کے بنیادی اسباب بھی بیان کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

ملکیت کی بحث میں ایک اہم تقسیم یہ ہے کہ مالک کون ہے۔ ایک ہی زمین یا مال کبھی ایک فرد کی ذاتی ملکیت ہوتا ہے، کبھی کئی افراد کی مشترکہ ملکیت ہوتا ہے اور کبھی پوری امت، ریاست یا کسی ادارے کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر صورت میں تصرف کے اختیارات، آمدنی کی تقسیم اور تنازعے کے حل کے اصول مختلف ہو جاتے ہیں، اس لیے فقہ نے

مالک کے اعتبار سے ملکیت کی اقسام کو باقاعدہ بیان کیا ہے۔ سوال کا دوسرا حصہ اس سے بھی بنیادی ہے: ملکیت حاصل کیسے ہوتی ہے، یعنی وہ کون سے جائز اسباب ہیں جن سے ایک شخص کسی چیز کا مالک بنتا ہے۔ اس جواب میں پہلے ملکیت کی تعریف مختصراً بیان کی جائے گی، پھر مالک کے اعتبار سے اس کی اقسام، ان کے احکام اور باہمی فرق کی وضاحت ہو گی، اور آخر میں ملکیت کے حصول کے بنیادی اسباب کو ایک ایک کر کے بیان کیا جائے گا اور ان کی جدید عملی صورتوں کی طرف بھی اشارہ کیا جائے گا۔

ملکیت کی تعریف اور مالک کے اعتبار سے اقسام

فقہی اصطلاح میں ملکیت اس اختصاص اور قابو کو کہتے ہیں جس کی بنا پر ایک شخص کسی چیز میں شرع کی اجازت کے دائرے میں تصرف کر سکتا ہے اور دوسرے اس میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کر سکتے۔ مالک کے اعتبار سے اس کی سب سے پہلی قسم ملکیتِ انفرادی یا خاصہ ہے، جس میں مالک ایک معین فرد ہوتا ہے اور وہ اس چیز کے تمام جائز تصرفات، استعمال، فروخت، ہبہ، اجارہ اور وقف کا حق رکھتا ہے۔ دوسری قسم ملکیتِ مشترکہ ہے جس میں دو یا زیادہ افراد ایک ہی چیز کے مالک ہوتے ہیں۔ شرکت کی یہ صورت کبھی اختیاری ہوتی ہے، جیسے دو افراد مل کر زمین خریدیں، اور کبھی غیر اختیاری ہوتی ہے، جیسے وراثت میں کئی وارث ایک جائیداد کے مالک بن جائیں۔ مشترکہ ملکیت میں ہر شریک اپنے حصے کا مالک ہوتا ہے، مگر پوری چیز میں تصرف کے لیے دیگر شرکاء کے حقوق کی رعایت ضروری ہوتی ہے، اور تقسیم کا مطالبہ بھی اسی باب کا مشہور حق ہے۔

تیسری قسم ملکیتِ عامہ یا اجتماعی ملکیت ہے، جس کا مالک کوئی ایک فرد نہیں بلکہ عام مسلمان، شہری یا پوری کمیونٹی ہوتی ہے، جیسے عام راستے، دریا، نہریں، بڑی چراگاہیں اور وہ چیزیں جن کے بارے میں حدیث میں مسلمانوں کی شراکت کا بیان مشہور ہے، یعنی پانی، چراگاہ اور آگ جیسی بنیادی ضروریات۔ اس ملکیت میں کسی فرد کو انفرادی قبضے سے دوسروں کو محروم کرنے کا حق نہیں ہوتا اور اس کا انتظام اجتماعی ذمہ داری ہوتا ہے۔ چوتھی قسم ریاستی ملکیت ہے، جسے بیت المال کی ملکیت بھی کہا جاتا ہے؛ اس میں مالک کی حیثیت ریاست کو ہوتی ہے مگر ریاست اس مال کی امین ہوتی ہے اور اسے عوامی فلاح میں خرچ کرنا اس کی ذمہ داری ہوتی ہے، خزانے کی سرکاری زمینیں، خراجی اراضی کا ریاستی حصہ اور سرکاری عمارتیں اس کی مثال ہیں۔ پانچویں صورت وقف کی ہے، جس میں اصل چیز کی ملکیت عملی طور پر کسی فرد کے تصرف سے نکل کر خیر کے مقصد کے لیے محفوظ

ہو جاتی ہے اور صرف اس کا منافع مستحقین تک پہنچتا ہے؛ واقف، ناظم اور موقوف علیہم تینوں کے حقوق الگ الگ ہونے کی وجہ سے فقہاء اسے ایک مستقل حیثیت کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

جدول 3: مالک کے اعتبار سے ملکیت کی اقسام

قسم	مالک	اہم خصوصیت
ملکیتِ انفرادی	ایک معین فرد	جائز تصرفات کا مکمل حق، شرعی حدود کے ساتھ
ملکیتِ مشترکہ	دو یا زائد افراد	ہر شریک حصے کا مالک؛ تقسیم کا حق موجود
ملکیتِ عامہ	تمام مسلمان / عوام	کسی فرد کی اجارہ داری نہیں؛ اجتماعی استعمال
ریاستی ملکیت	ریاست / بیت المال	ریاست امین؛ خرچ عوامی فلاح میں
وقف	مقصدِ خیر کے لیے محفوظ	اصل چیز فروخت نہیں ہوتی، منافع مستحقین کو

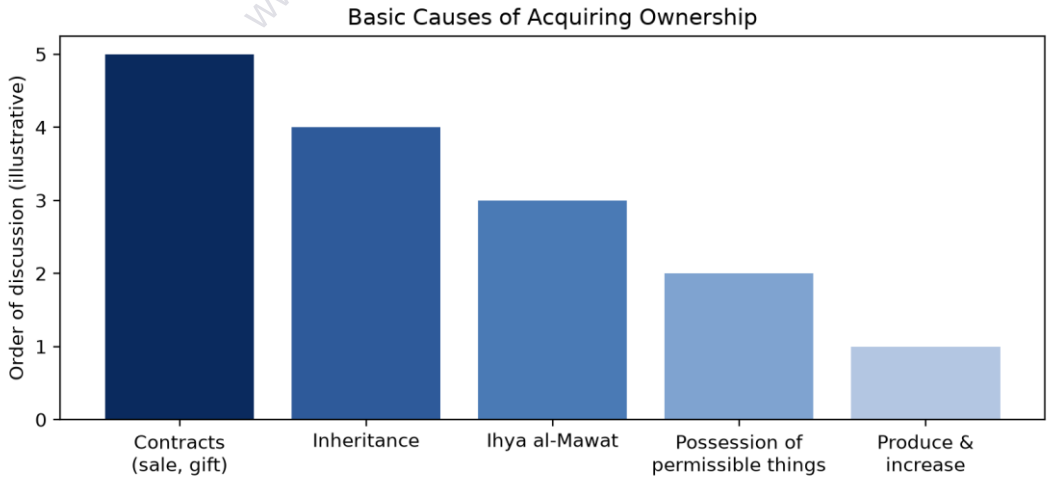
ملکیت کے حصول کے بنیادی اسباب

فقہاء نے ملکیت کے اسباب کو چند بڑے گروہوں میں بیان کیا ہے۔ پہلا اور سب سے عام گروہ عقود یعنی باہمی رضامندی کے معاملات ہیں۔ بیع سے خریدار مبیع کا اور بائع ثمن کا مالک بنتا ہے، ہبہ سے موہوب لہ تحفے کا مالک ہوتا ہے جب قبضہ ہو جائے، اجارے سے کرایہ دار منفعت کا اور مالک کرائے کا مالک بنتا ہے، اور شرکت و مضاربت جیسے عقود میں طے شدہ اصولوں کے مطابق ملکیت و نفع تقسیم ہوتا ہے۔ ان اسباب کی بنیاد رضامندی اور جائز تبادلہ ہے، اس لیے دھوکا، دباؤ اور ناجائز شرط ان عقود کو خراب کر دیتی ہے۔

دوسرا گروہ غیر اختیاری یا قانونی اسباب ہیں، جن میں سرِ فہرست وراثت ہے: موت کے ساتھ ہی میت کا ترکہ، قرض و وصیت کے بعد، شرعی حصوں کے مطابق وارثوں کی

ملکیت میں منتقل ہو جاتا ہے، خواہ وارث نے کوئی عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اسی گروہ میں شفعہ بھی آتا ہے، جس کے ذریعے شفیع کو بیچی گئی جائیداد اسی قیمت پر حاصل کرنے کا ترجیحی حق ملتا ہے، اور عدالت کے فیصلے سے قائم ہونے والی ملکیت بھی اسی میں شمار ہوتی ہے۔

تیسرا گروہ احیاء اور قبضے سے متعلق اسباب ہیں۔ شریعتی روایت زمین کو آباد کرنے سے آباد کرنے والا اس کا مالک بنتا ہے، جسے احیاءِ موات کہتے ہیں۔ اسی طرح مباح چیزوں پر پہلے قبضہ کرنا بھی ملکیت کا سبب ہے، مثلاً عام جنگل سے لکڑی کاٹنا، عام پانی سے حصہ لینا یا بنجر جگہ سے گھاس حاصل کرنا؛ قبضے سے وہ چیز قبضہ کرنے والے کی ملک ہو جاتی ہے، مگر ذخیرے پر مستقل حق قائم نہیں ہوتا۔ شکار اور مچھلی جیسے مباح جانداروں کا حصول بھی اسی اصول کے تحت آتا ہے۔ چوتھا گروہ پیداوار اور اضافے سے متعلق ہے: درخت کا پھل، جانور کا بچہ اور دودھ، اور زمین کی پیداوار اصل مال کے مالک ہی کی ملکیت ہوتی ہے، کیونکہ فرع اصل کے تابع ہوتی ہے۔ پانچواں سبب کبھی غرامت اور بدل کی صورت میں پیدا ہوتا ہے، مثال کے طور پر کسی کی چیز تلف ہو جائے تو اس کا مثل یا قیمت تلف کرنے والے کے ذمے لازم آتی ہے اور وہ بدل مظلوم کی ملکیت بنتا ہے۔ ان اسباب کے علاوہ فقہ میں اقطاع یعنی ریاست کی طرف سے زمین کی جائز الاٹمنٹ کو بھی تاریخی طور پر ملکیت یا حقِ استعمال کے سبب کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔



خاکہ 2: ملکیت کے حصول کے بنیادی اسباب (انگریزی تکنیکی لیبل کے ساتھ)

اسباب کی شرعی شرط اور جدید صورتوں سے ربط

ان تمام اسباب میں ایک مشترک شرط یہ ہے کہ سبب جائز ہو۔ چوری، ڈاکا، غصب، رشوت، سود اور دھوکے سے حاصل ہونے والا مال ظاہری قبضہ تو دے سکتا ہے مگر شرعی ملکیت پیدا نہیں کرتا، اور ایسا مال اصل مالک کو واپس کرنا واجب رہتا ہے۔ دوسری مشترک بات یہ ہے کہ بیشتر اسباب میں قبضے کو بڑی اہمیت حاصل ہے؛ ہبے میں قبضہ مکمل ملکیت کی شرط ہے، بیع میں بھی قبضہ ضمان اور تصرف کے کئی احکام کو بدل دیتا ہے، اس لیے جدید دور میں رجسٹریشن، فردِ ملکیت اور بینک ریکارڈ قبضے اور ثبوت کی مضبوط صورتیں سمجھی جاتی ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ ایک مال پر کئی اسباب کے جمع ہونے کی صورت میں فقہ ترجیح کے اصول دیتی ہے، جیسے مشترکہ ملکیت میں شفیع کا حق عام خریدار پر مقدم ہوتا ہے۔ طالب علم کے لیے ان اسباب کی فہرست یاد رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ مزارعت، مساقات اور شفعہ کی پوری بحث اسی سوال سے شروع ہوتی ہے کہ کس کے پاس کون سا حق کس سبب سے آیا ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ مالک کے اعتبار سے ملکیت انفرادی، مشترکہ، عامہ، ریاستی اور وقف جیسی صورتوں میں تقسیم ہوتی ہے اور ہر صورت کے تصرف و انتظام کے اصول الگ ہیں۔ ملکیت کے حصول کے بنیادی اسباب عقود، وراثت و شفعہ جیسے قانونی اسباب، احیاءِ موات و مباحات پر قبضہ، پیداوار و اضافہ، اور بدل و غرامت ہیں، جن سب کی مشترک شرط جواز ہے۔ اس تقسیم اور ان اسباب کو سمجھنے کے بعد زمین کے معاملات میں تنازعات کا تجزیہ آسان ہو جاتا ہے، کیونکہ پہلے مالک کی حیثیت اور پھر ملکیت کے سبب کو دیکھ کر ہی کسی حق کے ثبوت یا عدم ثبوت کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

سوال نمبر 5: احیاءِ موات کا مفہوم اور بنجر زمین پر ملکیت ثابت کرنے والے اعمال (20 نمبر)

سوال نمبر 5: احیاءِ موات سے کیا مراد ہے، اور فقہاء کرام کے نزدیک کن اعمال سے بنجر زمین پر ملکیت ثابت ہو جاتی ہے؟ (20 نمبر)

تعارف

دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی اور خوراک کی بڑھتی ضرورت کے سامنے بنجر زمینوں کی آباد کاری ہر دور کا اہم معاشی مسئلہ رہی ہے۔ اسلام نے اس مسئلے کا ایک منفرد حل اس اصول کی صورت میں دیا ہے کہ جو شخص بے مالک بنجر زمین کو آباد کرے وہ اس کا مالک بن جائے۔ اس اصول کو فقہ کی اصطلاح میں احیاءِ موات کہا جاتا ہے۔ اس سے ایک طرف زمین کا وسیع بنجر رقبہ پیداوار میں شامل ہو جاتا ہے، دوسری طرف محنت کرنے والے غریب و بے زمین شخص کو بھی ملکیت حاصل کرنے کا جائز راستہ مل جاتا ہے، اور تیسری طرف زمین کو بنجر چھوڑنے کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ سوال میں پہلے احیاءِ موات کا مفہوم پوچھا گیا ہے اور پھر یہ کہ فقہاء کے نزدیک وہ کون سے اعمال ہیں جن سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ زمین واقعاً آباد ہو گئی اور اس پر ملکیت ثابت ہو گئی۔ اس جواب میں موات کی تعریف و شرائط، احیاء کے شرعی میں فقہاء کی آراء، ملکیت ثابت کرنے والے مخصوص اعمال، اور تحجیر یعنی نشانی لگانے کے حکم کی وضاحت کی جائے گی۔

احیاءِ موات کا مفہوم اور موات کی شرائط

احیاء کے لغوی معنی زندہ کرنے کے ہیں اور موات اس زمین کو کہتے ہیں جو مردہ یعنی بے کار پڑی ہو۔ اصطلاح میں احیاءِ موات سے مراد کسی ایسی بنجر زمین کو، جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو، کاشت، آبپاشی، باغبانی یا تعمیر کے ذریعے قابلِ استعمال بنا لینا ہے، جس کے نتیجے میں آباد کرنے والا اس زمین کا مالک ہو جاتا ہے۔ اس اصول کی بنیاد وہ مشہور نبوی ارشاد ہے جس کا مفہوم ہے کہ جس نے ایسی زمین آباد کی جو کسی کی نہ ہو، وہ اس کا زیادہ حقدار ہے، اور اسی موضوع کی دیگر روایات میں بھی آباد کار کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ تاریخی عمل میں بھی آباد کاروں کو زمینیں عطا کرنے اور ان کے حقوق کی حفاظت کی مثالیں موجود ہیں۔ موات کہلانے کے لیے فقہاء نے شرائط بیان کی ہیں: زمین کسی فرد یا وقف کی ملک میں نہ ہو، آباد بستی کے اتنا قریب نہ ہو کہ وہ بستی کی چراگاہ، لکڑی لانے کی جگہ یا کوڑا ڈالنے کی جگہ کے طور پر اس کے کام آتی ہو، اس پر کسی کا سابقہ حق، جیسے تحجیر یا الاٹمنٹ، قائم نہ ہو، اور وہ عام راستے، دریا یا اجتماعی سہولت کی جگہ نہ ہو۔ جو زمین ان شرائط پر پوری نہ اترے وہ موات نہیں اور اس پر احیاء کا دعویٰ قائم نہیں ہو سکتا۔

احیاء کے لیے امام یعنی حکومت کی اجازت کی شرط میں فقہاء کا مشہور اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک کسی کی ملکیت سے باہر کی بنجر زمین بھی حکومت کی اجازت کے بغیر آباد کر کے ملکیت حاصل نہیں کی جاسکتی، کیونکہ زمینوں کے عمومی انتظام کا اختیار حکومت کے پاس ہے اور بے اجازت آبادکاری سے تنازعات پیدا ہوتے ہیں۔ صاحبین، یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد، اور جمہور فقہاء کے نزدیک اجازت شرط نہیں ہے، بلکہ صرف احیاء کا عمل ہی ملکیت کا سبب ہے، البتہ حکومت کو نظم و ضبط اور تنازعات کی روک تھام کا اختیار بہر حال حاصل رہتا ہے۔ عملی حیثیت سے جدید دور میں رجسٹریشن اور ریکارڈ کی پابندی تقریباً ہر نظام میں لازم ہو چکی ہے، اس لیے احناف کا یہ قول عصری انتظامی نظام سے قریب تر محسوس ہوتا ہے۔ نیز فقہاء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اگر آباد کی گئی زمین تین سال تک دوبارہ بے کار چھوڑ دی جائے تو اس کا حق متاثر ہونے کی بحث آتی ہے، اور اس حوالے سے حضرت عمر فاروق کے دور کا وہ عمل بھی کتب میں نقل ہوتا ہے جس میں طویل عرصہ زمین آباد نہ کرنے والے سے وہ واپس لینے کا اصول اختیار کیا گیا۔

وہ اعمال جن سے احیاء ثابت ہوتا ہے

احیاء کا ثبوت کسی ایک مقررہ رسم سے نہیں ہوتا بلکہ اس حقیقی عمل سے ہوتا ہے جس سے زمین اپنے مقصد کے مطابق قابلِ استعمال بنائی جائے، اور اس کا اندازہ زمین کے مطلوبہ استعمال سے لگایا جاتا ہے۔ زرعی زمین میں احیاء جن اعمال سے ثابت ہوتا ہے ان میں پانی پہنچانا، یعنی کنواں کھودنا، نہر یا نالی بنا کر آبپاشی کا انتظام کرنا، زمین کو ہموار و صاف کر کے ہل چلانا اور بیج ڈالنا یا فصل اگانا شامل ہیں۔ باغ کے لیے درخت لگانا احیاء ہے، کیونکہ باغ کا مقصد درختوں ہی سے پورا ہوتا ہے۔ رہائشی یا تعمیری مقصد کے لیے زمین کے گرد دیوار یا باڑ کھڑی کرنا، بنیادیں کھودنا یا عمارت تعمیر کرنا احیاء شمار ہوتا ہے، کیونکہ اس سے زمین کا اختصاص اور اس پر قبضے کا اعلان واضح ہو جاتا ہے۔ چراگاہ یا مویشیوں کے باڑے کے مقصد کے لیے گھیرابندی اور پانی کا انتظام بھی اسی اصول پر احیاء کی صورت بن سکتی ہے۔ فقہاء کا عمومی قاعدہ یہ ہے کہ ہر زمین میں وہی عمل معتبر ہے جو عرف کے مطابق اس زمین کو اس کے مقصد کے لیے تیار کر دے۔

اس کے برخلاف بعض اعمال محض نشانی یا ارادے کے درجے میں رہتے ہیں اور ان سے مکمل ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ ان میں سب سے مشہور تحجیر ہے، یعنی زمین کے گرد پتھر رکھ دینا، کانٹوں کی عارضی باڑ لگا دینا یا نشانیاں گاڑ دینا۔ تحجیر سے تحجیر کرنے والے کو ایک ترجیحی حق حاصل ہو جاتا ہے کہ ایک معقول مدت میں وہی اسے آباد کرے اور دوسرا

اس دوران اس پر آباد کاری نہ کرے، مگر محض تحجیر سے وہ مالک نہیں بن جاتا؛ اگر وہ مقررہ یا مناسب مدت میں آباد نہ کرے تو اس کی ترجیح ختم ہو جاتی ہے اور دوسرا شخص اسے آباد کر سکتا ہے۔ اسی طرح صرف زمین صاف کر دینا مگر نہ پانی پہنچانا نہ کاشت کرنا، یا کنواں کھودنا شروع کر کے ادھورا چھوڑ دینا، احیاءِ تام نہیں کہلاتا، البتہ کنواں مکمل کھودنے اور پانی نکل آنے کی صورت میں کنویں کا حریم یعنی اس کے گرد کا مقررہ رقبہ بھی آباد کار کے حق میں شامل سمجھا جاتا ہے، جس کی مقداریں فقہ کی کتب میں کنویں کی قسم کے اعتبار سے بیان ہوئی ہیں۔

جدول 4: احیاء ثابت کرنے والے اور نہ کرنے والے اعمال

عمل	حیثیت	وجہ
کنواں کھود کر پانی پہنچانا اور کاشت کرنا	احیاءِ تام؛ ملکیت ثابت	زمین مقصد کے مطابق قابلِ استعمال ہو گئی
باغ کے لیے درخت لگانا	احیاءِ تام	باغبانی کا مقصد حاصل ہو گیا
رہائش کے لیے دیوار / عمارت بنانا	احیاءِ تام	اختصاص اور قبضہ واضح ہو گیا
صرف پتھر رکھنا یا نشانی لگانا (تحجیر)	ملکیت ثابت نہیں؛ صرف ترجیحی حق	زمین واقعاً آباد نہیں ہوئی
ادھوری صفائی یا ادھورا کنواں چھوڑ دینا	احیاءِ تام نہیں	قابلِ استعمال بنانے کا عمل نامکمل

احیاء کے اثرات اور عصری اہمیت

احیاء کے ثابت ہو جانے کے بعد آباد کار زمین کا مالک ہوتا ہے، اسے اس میں تمام جائز تصرفات کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور آباد شدہ زمین عام طور پر عشری زمین کے حکم میں آتی ہے، جس کی پیداوار پر احکام کے مطابق عشر واجب ہوتا ہے۔ احیاء کے ادارے کی معاشی حکمت واضح ہے: اس میں سرمایہ نہیں بلکہ محنت ملکیت کا ذریعہ بنتی ہے، جس سے بے زمین طبقے کو آگے بڑھنے کا موقع ملتا ہے؛ بنجر رقبہ قومی پیداوار میں شامل ہو کر غذائی خود کفالت میں مدد دیتا ہے؛ اور ملکیت کا مستقل حق ملنے سے آباد کار زمین کی بہتری میں دل

سے سرمایہ لگاتا ہے۔ عصرِ حاضر میں ہاؤسنگ اسکیموں کے نام پر بنجر اور سرکاری زمینوں پر ناجائز قبضے کو احیاء کہنا اس اصول کا غلط استعمال ہے، کیونکہ احیاء کی پہلی شرط ہی یہ ہے کہ زمین کسی کی ملک، وقف یا اجتماعی سہولت کی جگہ نہ ہو اور ریاستی قوانین و اجازت کی پابندی بھی اسی نظم کا حصہ ہے۔ لہٰذا کسی بھی عملی دعوے میں قانونی ریکارڈ اور مستند علماء و عدالت کی طرف رجوع ہی درست راستہ ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ احیاءِ موات بے مالک بنجر زمین کو حقیقی طور پر قابلِ استعمال بنا لینے کا نام ہے اور یہی عمل فقہاء کے نزدیک ملکیت کا سبب ہے۔ آبپاشی کے ساتھ کاشت، درخت لگانا اور تعمیری گھیرا یا عمارت وہ اعمال ہیں جن سے احیاء ثابت ہوتا ہے، جبکہ تحجیر جیسی صرف نشانی دینے سے ملکیت نہیں بلکہ ایک محدود مدت کی ترجیح ملتی ہے۔ اجازتِ حکومت کی شرط میں حنفی اختلاف معروف ہے اور طویل مدت تک آباد زمین چھوڑ دینے سے بھی حق متاثر ہونے کا خدشہ موجود ہے۔ یہ ادارہ دکھاتا ہے کہ اسلامی قانون میں زمین کا اصل حق اسے آباد اور مفید بنانے والے کے ساتھ جوڑا گیا ہے، تاکہ وسائل ضائع نہ ہوں اور محنت کو اس کا جائز صلہ ملے۔

USMAN NOTES www.usmannotes.com